بسلسلہ جدید سائنس

جناب حسن خان صاحب (ٹوکیو)

ڈاکٹر ولموٹ کلون بھیڑ کا خالق نہیں

اس نے پہلے سے کسی شکل میں موجود ایک چیز کی پرورش کرکے اسے دوسری صورت میں دنیا کے سامنے پیش کردیا

ڈاکٹر ولموٹ کے عمل کلوننگ کی کامیاب کوششوں کی مزید تشریح کرنے سے پہلے ایک غلط فہمی کا ازالہ کرنا ضروری محسوس ہوتا ہے جو اس موضوع پر انگریزی اخبارات وجرائد میں شائع ہونے والے مضامین کے مطالعہ سے پیدا ہوتی ہے۔ ان مضامین میں جگہ جگہ بات کو اس انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ گویا ڈاکٹر ولمٹ نے ایک کلون بھیڑ "بنائی" یا "تخلیق" کی ہے۔ اس انداز بیاں کو اختیار کرنے والوں میں یقیناً ایسے بھی ہوں گے جو مذہب پر یقین اور اس سے لگاؤ رکھتے ہوں گے اور عبادات کی پابندی کرنے والے بھی ہوں گے، لیکن مغرب کی تہذیب اور تعلیم نے لوگوں کو جو انداز فکر دیا ہے وہ یہ ہے کہ مذہب کا نہ سیاست سے کوئی تعلق ہے، اور نہ ہی سائنس اور دیگر اجتماعی معاملات زندگی سے بلکہ یہ سراسر لوگوں کا انفرادی معاملہ ہے۔ اور اس کے تقاضے کچھ عبادات کی ادائیگی کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس طرز فکر کو مختصراً سیکولرازم کہا جاتا ہے۔

سیکولرازم کے ... لوگ جب اپنی چشم تعصب سے مظاہر فطرت کا نظارہ کرتے ہیں، تو انہیں سب کچھ نظر آتا ہے سوائے اللہ یا خدا کی ذات کے۔ اور اگر کبھی وہ حقیقتوں کو تسلیم کرلینے کی توفیق پا بھی لیں تو اظہار حقیقت میں یہ خوف آڑے آتا ہے، کہ اس کے نتیجہ میں تو وہ "ترقی یافتہ" اور "تعلیم یافتہ" کی بلند مسندوں سے "مذہبی ملاؤں" کی سطح پر آن گریں گے۔ اسی ڈرامہ اور خوف کی وجہ سے جو مغرب سے ذہنی مرعوبیت کی بناء پر ان میں پیدا ہوچکا ہے وہ ہر چیز کو اس کے مقام سے ہٹا کر اور تعصب کی آنکھ سے دیکھنے کے عادی ہوگئے ہیں۔ ذاتی زندگی میں وہ خواہ چرچ یا مسجد جانے والے ہوں لیکن جب وہ خود یہ کہتے ہیں کہ کلون بھیڑ ایک ڈی این اے کی ترقی یافتہ شکل ہے تو پھر وہ کیسے ڈاکٹر ولمٹ کو (نعوذ باللہ) اس کا "خالق" یا

"بنانے والا" قرار دے سکتے ہیں۔ کسی بچہ کو اس کی ماں کے بجائے اگر کسی نرس یادائی نے پرورش کیاہوتوکیاوہ اس بچہ کی ماں کہلاتی ہے؟ اگر نہیں تو پھرڈاکٹرولموٹ کو کلون بھیڑکاخالق قرار دیناکیونکر درست ہوسکتاہے۔ جبکہ وہ خود کہتے ہیں کہ ڈاکٹرولموٹ کسی بھیڑکے پستان کے ایک ڈی این اے کو ترقی دے کر اس ڈی این اے میں قدرت نے پہلے سے جوامکانات پوشیدہ کر رکھے تھے، انہی کو بروئے کارلانے میں کامیاب ہواہے۔ اس کے عمل کو "ترقی دینا" یاکسی ڈی این اے کی "پرورش" توقرار دیاجاسکتاہے لیکن اس کو "بنانا" یا "تخلیق کرنا" نہیں کہاجاسکتا۔ کیونکہ کسی شے کو "بنانا" یا "تخلیق" کرنا سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس شے کوعدم سے وجودمیں لایاگیاہو۔ پہلے کسی شے کاکسی بھی شکل میں کوئی وجودنہیں ہواوراس کووجود بخشاجائے تواس عمل کو "تخلیق" کرنا یا "بنانا" کہاجاسکتاہے۔ ڈاکٹرولموٹ نے ایک شے کی، جوپہلے سے شکل میں موجود تھی، "پرورش" کرکے ایک دوسری شکل میں دنیاکے سامنے پیش کیا۔ یہ عدم سے وجودمیں لانے کا عمل نہیں تھابلکہ سائنسی تکنیک کے ذریعہ وجودکی ایک شکل کودوسری شکل میں بدلنے کایاتبدیل کرنے کا عمل تھا۔ اگرکوئی شخص پانی سے برف یابھاپ بنادے تواسے پانی یابھاپ کا خالق قرار نہیں دیاجاسکتا۔

ایک بچہ بچپن سے جوانی کی منزل عبورکرکے بڑھاپے تک پہنچ جاتاہے لیکن اس کے ماں باپ کبھی بھی اپنے آپ کو اس کا "خالق" نہیں سمجھتے۔ کیونکہ اس بچہ کے ناک نقشہ یاخصوصیات جوپیدائشی طورپراس میں ہوتی ہیں ان میں سے کسی ایک کی تخلیق میں بھی ماں باپ کی شعوری کوششوں کاذرہ برابرکوئی دخل نہیں۔اسی طرح جب ایک ڈی این اے کو "ترقی" دے کر یااس کی "پرورش" کرکے ایک کلون بھیڑمیں تبدیل کیاگیاتواس میں انہیں اس ڈی این اے اور اس کلون بھیڑ کا "خالق حقیقی" نظرنہیں آتا۔ مذہب کے خلاف ان کا تعصب انہیں مجبورکرتاہے کہ وہ ایک زندہ جاوید حقیقت کودیکھ کربھی ایک دائی یانرس کی طرح کسی بچہ کی پرورش کرنے والے کو وہ اس کا "خالق" قراردے دیں، اور الٹاالزام مذہب کے نام لیواؤں پرلگایا جاتاہے کہ یہ "تنگ نظر" اور "متعصب" ہوتے ہیں۔

ڈاکٹرولموٹ ایک بھیڑتوکیابنائے گا، اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتاہے کہ تم ایک حقیرسی مکھی بھی نہیں بناسکتے اور وہ تم سے کوئی چیزچھین لے جائے تواسے واپس بھی نہیں لے سکتے۔ یہ ہماری سائنسی پروازکی وہ حدہے کہ جہاں ہم کبھی نہیں پہنچ سکیں گے کسی مکھی جیسی چھوٹی

مخلوق کو بنانا تو در کنار ہماری سائنس اس حد تک بھی ترقی نہیں کر سکی کہ وہ مکھی جو چیز ہم سے چھین لے جائے اسے ہم سائنس کے کسی ٹیکنالوجی کے زور سے واپس حاصل کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے کہ

ترجمہ :- اے لوگو! تمھیں ایک مثال بتائی جاتی ہے، اس کو غور سے سنو۔ جو لوگ اللہ کے سوا کسی دوسرے معبود کو پکارتے ہیں وہ ایک مکھی بھی تخلیق نہیں کر سکتے خواہ وہ سب اکھٹے ہو کر کتنی ہی کوشش کیوں نہ کر لیں اور اگر کوئی مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اس سے واپس نہیں لے سکتے ہیں۔ کس قدر کمزور ہیں یہ پکارنے والے بھی اور وہ جنھیں پکارا جاتا ہے۔ (حج ۳۰)

اس آیت کریمہ میں دونوں گروہوں کو چیلنج کیا جارہا ہے۔ اللہ کے سوا جن دوسرے معبودوں کو جو لوگ مدد کیلئے پکارتے ہیں، ان لوگوں کو بھی اور ان معبودان باطل کو بھی، اور اس چیلنج سے پہلے ایک فقرہ یہ ہے کہ "یاایھاالناس" اے ساری دنیا کے لوگو۔ اس میں اسلام کے ماننے والے اور نہ ماننے والے سب شامل ہیں۔ ان سب کو مخاطب کر کے کہا جارہا ہے کہ "ضرب مثل" تمھارے سامنے ایک مثال لائی جارہی ہے۔ یہ فقرہ یہیں ختم ہو سکتا ہے کہ اے لوگو! تمھارے سامنے مثال رکھی جارہی ہے لیکن اس کے آگے یہ بھی ہے کہ "فاستعموالہ" یعنی اس مثال پر خوب کان دھرو۔ یہ غالباً پورے قرآن میں واحد مثال ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے مثال کی تفصیل میں جانے سے پہلے قارئین کی توجہ اس بات پر مبذول کروائی ہے کہ دیکھومیں ایک مثال دے رہا ہوں اس کو اچھی طرح کان کھول کر سنو اور بڑے غور وفکر سے کام لو۔ اس مثال کو سامنے لانے سے قبل اس پر توجہ اور غور کی دعوت اللہ کی طرف سے دی جارہی ہے کہ دیکھو ایک کیسی کھلی اور زبردست حقیقت ہے جس کی طرف سے تم نے آنکھیں بند کی ہوئی ہیں۔ یہ مثال کیا ہے ایک ایسی نمایاں حقیقت ہے کہ اگر تم اس پر غور کرو گے تو تمھیں اپنی غلطی اور کمزوری بھی صاف نظر آجائے گی اور جن معبودان باطل کو تم پکار رہے ہو ان کی مجبوری اور بے لبی بھی صاف سامنے آجائے گی۔ تم بھی اور تمھارے معبودان باطل بھی اللہ کو چھوڑ کر کسی اور طاقت کی طرف دیکھ رہے ہوں تو نہ صرف یہ غلطی ہے بلکہ تمھاری اس نااہلی کا ثبوت بھی اس مثال سے تمھارے سامنے آجائے گا کہ جب تم اس دنیا میں ایک مکھی جیسی حقیر و چھوٹی سی چیز بھی تخلیق نہیں کر سکتے تو اسطرح کے معبودان باطل تمھارے کس کام آسکتے ہیں اور تم کیسے بے وقوف اور کمزور ایمان و عقل کے بندے بنے ہوئے ہو کہ ایسے کمزور معبودوں کو اپنا حاجت روا اور فریاد رس سمجھ کر انہیں

اپنی مدد کے لئے پکار رہے ہو جب مکھی جیسی حقیر چیز کو بنانے کے قابل نہ ہونا اتنی بڑی نااہلی ہے تو ایسے کمزور لوگوں کو مدد کے لئے پکارنا کیسی نا سمجھی کی بات ہوگی، اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

کسی بے جان چیز کے معاملہ میں تو اس کا امکان ہے کہ کسی چیز کو آدمی بظاہر عدم سے وجود میں لے آئے خواہ اس میں بھی اس نے اللہ کی بتائی ہوئی چیزوں استعمال کیا ہو۔ جیسے ایک موٹر کار یا ہوائی جہاز بنالیا جن کا وجود پہلے نہیں تھا لیکن مختلف اشیاء کو جو پہلے سے نظام فطرت میں ان ساری خصوصیات کے ساتھ موجود تھیں جنہیں بروئے کار لاکر موٹر یا ہوائی جہاز کی شکل دے۔ اللہ کی بنائی ہوئی اس توانائی کی مدد سے جو اس نے بھاپ، بجلی یا ایٹم میں رکھی ہے، حرکت میں لایا گیا۔ لیکن ایک بے جان چیز کو جاندار بنانے کا عمل تو قطعی ناممکن ہے۔ یہ اللہ کا چیلنج ہے کہ تم کسی بے جان نقشہ یا صورت میں روح نہیں پھونک سکتے۔ ایک مکھی کی شکل کی کوئی چیز کیمیاوی اجزاء سے اسی آنکھ ناک نقشہ کی بنائی جاسکتی ہے، لیکن اس میں روح پھونکنا کہ وہ ایک بے جان سے جاندار مکھی بن جائے، سائنس کے بس کا روگ نہیں، خواہ وہ کتنی ہی ترقی کر لے۔

ڈاکٹر ولموٹ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے سامری جادوگر کی طرح کوئی بچھڑا بنا کر اس میں سے آوازیں نکالنے سے ملتا جلتا کوئی کام نہیں کیا۔ انہوں نے یہ نہیں کیا کہ ایک بے جان بھیڑ بنا کر اس میں روح پھونکی ہو اور اس بھیڑ کا نام ڈولی رکھ دیا ہو۔ وہ خود اس کو "کلون" بھیڑ کہہ رہے ہے، یعنی عدم سے ہستی کا جامہ پہننے والی بھیڑ نہیں بلکہ ایک ایسی بھیڑ ہے جو پہلے سے کسی شکل میں موجود تھی اسی کو "کلون" کر کے یا پرورش کر کے یہ نئی بھیڑ بنائی کی گئی ہے اور وہ بھی کسی اور بھیڑ کے رحم مادر میں نہ کہ کسی لیبارٹری میں ایسے عمل کو " عمل تخلیق" کیسے کہا جاسکتا ہے؟۔

نہ صرف یہ کہ کوئی سائنس دان یہ روح پھونکنے والی تخلیق نہیں کر سکتا بلکہ اللہ کا چیلنج یہ بھی ہے کہ اگر وہ مکھی تم سے کوئی چیز چھین لے جائے تو تم اسے واپس بھی نہیں لے سکتے۔ مثلاً لیبارٹری میں ایک مکھی کو کسی کھانے کی چیز پر بٹھا کر اسے فوراً چمٹی سے پکڑ کر، جو کچھ اس نے اٹھایا ہے، اس سے چھیننے کی کوشش کا خیالی پلاؤ تو پکایا جاسکتا ہے لیکن عملاً اس کوشش میں کامیابی ممکن نہیں۔ جیسا کہ شہد کی مکھی کے بارے میں ہمیں معلوم ہے کہ وہ پھولوں کا رس چوستی ہے تو یہ رس اس کے پیٹ کے اندر جاتے ہی شہد کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ وہ رس کی شکل میں کہیں رہتا ہی نہیں تو اس رس کو کیونکر شہد کی مکھی سے واپس چھینا جاسکتا ہے؟ وہ کسی شے

کو چھینتی ہے تو اپنے ہاتھ پاؤں سے نہیں، منہ سے چھینتی ہے اور فوراً پیٹ میں منتقل کردیتی ہے جہاں جاکر اس چیز کی ماہیت ہی بدل جاتی ہے اور وہ چیز اپنی ابتدائی شکل میں کہیں موجود نہیں رہتی اس لئے لیبارٹری میں مکھی کو چمٹی سے پکڑکر اس شے کو واپس لینے کی کوشش میں کامیابی کا کوئی امکان نہیں۔

یہ تو تھی شہد کی مکھی کی بات، کہا جاسکتا ہے کہ کچھ مکھیاں منہ سے فوراً کسی چیز کو پیٹ میں منتقل نہیں کرتیں بلکہ اپنے پیروں یا ڈنکوں سے کسی چیز کو پکڑتی ہیں اور دوسرے مرحلہ میں انہیں اپنے پیرے سے منہ کی طرف منتقل کرکے اس چیز کو کھاتی ہیں۔ تو بظاہر اس صورت میں ایک نظری امکان یہ موجود رہتا ہے کہ جب کسی مکھی نے اپنے پیروں یا ڈنکوں سے کسی چیز کو پکڑا اسی مرحلہ پر اس مکھی کو لیبارٹیری میں چمٹے سے پکڑکر اس چیز کو واپس چھین لیا جائے۔ لیکن ذرا اس واپس لی ہوئی چیز تجزیہ تو کرکے دیکھیے یہ اس چیز سے بہت مختلف ہوچکی ہوگی جو مکھی نے ابتداءً ہم سے چھینی تھی۔

ہم میں سے اکثر جانتے ہیں کہ جیسے ہی مکھی کا پاؤں یا جسم کا کوئی حصہ کسی کھانے کی چیز پر لگتا ہے تو فوراً ایسے کیمیاوی مادے چھوڑتی ہے کہ اس چیز کی ابتداء ماہیت ہی بدل جاتی ہے اور اگر وہ چیز واپس مل بھی جائے تو وہ چیز بھی اور ہر وہ خوردنی چیز بھی جس پر کوئی مکھی ایک دفعہ بیٹھ جائے تو سائنس یہ کہتی ہے کہ وہ حفظان صحت کے حوالے سے کھانے کے قابل نہیں رہتی۔ یعنی مکھی سے جو چیز بالفرض چھینی جائے گی وہ اس چیز سے بالکل مختلف ہوگی جو اس نے ہم سے چھینی تھی اور اس قابل نہیں ہوگی کہ کوئی انسان اسے استعمال کرسکے یعنی وہ ابتدائی چیز تو کسی حالت میں واپس آہی نہیں سکتی جو مکھی ہم سے چھین لے گئی ہو۔ یہ ہماری اور ہماری سائنس کی بے بسی ہے۔ ایسی بے بس سائنس کے بارے میں یہ سمجھ لینا کہ اس نے کسی "بھیڑ" کی تخلیق کی ہے عقل میں آنے والی بات نہیں۔

* * * * * * * * * * * * * *